ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.4,Issue No.1(2022)
(January to June)

محمد عاصم بٹ بحیثیت ناول نگار: تحقیقی جائزہ

Muhammad Asim Butt as a Novelist: Research Review

کومل شہزادی

ایم۔فل اُردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

ڈاکٹر نصیر احمد اسد

پی ایچ۔ڈی اُردو، یونیورسٹی آف سرگودھا

Abstract:

Muhammad Asim butt is a prominent author. He wrote novel as well as afsana.The prominent recognition of Asim butt's novels is tragedy of modern mankind these novels, culture and the inner city of Lahore are found in full range of all its colour.Asim Butt`s "Daira"novel reveals that there are two stories going on at the same time. His novel "Na-tamaam"runs with many stories. The novel is a story of continues exploitation. The women is insulted in the society of men."Bhaid" Novel is the only example of the forgetfulness. There is a new experience in Urdu novel. In short we can say that Asim butt is a significant novelist of this era. In this article, research review of Asim Butt`s novels have been presented.

Key words: Asim Butt, Novelist, Daira, Bhaid, Na-tamaam, research review

محمد عاصم بٹ اردوادب کی نئی نسل کا نمائندہ ہے۔ادبی دنیا میں مترجم کی حیثیت سے متعارف ہوئے۔عاصم بٹ اردو ناول نگار، افسانہ نگار، مترجم اور مدیر ہیں۔ آپ نے اردوادب کے فروغ کے لیے کئی جہتوں میں کام کیا لیکن بطور ناول نگار وہ اپنی امتیازی اور انفرادی حیثیت بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔انہیں سنجیدہ ادبی حلقوں میں بہت محبت کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ محمد عاصم بٹ دسمبر ۱۹۶۶ء لاہور میں پیدا ہوئے۔عاصم بٹ نے مسلم ہائی سکول اردو بازار لاہور سے ۱۹۸۱ء میں سائنس میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔۱۹۸۳ء میں گورنمنٹ ہاشمی میموریل کالج سے آئی۔کام کا امتحان پاس کیا۔بی۔کام کا امتحان کام ہیلی کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ۱۹۸۶ء میں پاس کیا۔بعد ازاں ایم۔اے فلاسفی کا امتحان ۱۹۹۱ء کو گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کیا۔"۱

عاصم بٹ نے ادبی سفر کا آغاز شاعری سے کیا۔بعد ازاں اسے ترک کرنے کے بعد کہانی لکھنے کی طرف مائل ہوئے اور ایم۔اے کے دوران ہی ان کی پہلی کہانی "پس آئینہ" کے عنوان سے ماہنامہ "ماہ نو" میں شائع ہوئی۔عاصم بٹ نے ترجمے کا آغاز تو پہلے سے ہی کہانیاں لکھنے کے دوران کر چکے تھے۔ تحقیق و تنقید کی خدمات بھی سر انجام دے رہے ہیں۔فرانز کافکا اور بورخیس کے علاوہ متعدد تراجم کیے۔علاوہ ازیں ان کے دو افسانوی مجموعے اور تین ناول بھی منظر عام پر آچکے ہیں۔ محمد عاصم بٹ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔وہ اپنی نثری تخلیقات کی بدولت ادب میں ایک منفرد و ممتاز مقام کے حامل ادیب ہیں۔اکیسویں صدی کی ناول نگاری میں محمد عاصم بٹ جیسے ناول نگار بھی سامنے آتے ہیں اور بحیثیت ناول نگار ایک مقام رکھتے ہیں۔انکے ناول بالترتیب "دائرہ"، "ناتمام" اور "بھید" منظر عام پر آکر قارئین ادب پر اپنی دھاک بٹھا چکے ہیں۔

"دائرہ" محمد عاصم بٹ کا پہلا ناول ہے۔پہلی بار ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا پھر ترمیم و اضافے کے بعد ۲۰۰۸ء میں دوبارہ شائع ہوا۔بلاشبہ انسانی زندگی بھی ایک دائرے کی مانند ہے۔ آج کا انسان اپنی شناخت کے بحران کا شکار ہے۔ایسے میں پورے انسان کا عکس ملنا محال ہے۔ محمد عاصم بٹ کا ناول "دائرہ" بھی

انہی سوالوں کے گرد گھومتا ہے۔ شناخت کی پہچان اس کا بنیادی موضوع ہے۔ اس ناول میں کہانی در کہانی چلتی ہے جو اس حقیقت کی عکاس ہے کہ دنیا میں جو بھی انسان آیا ہے وہ انسان ایک مسائل سے باہر آتا ہے تو دوسرے کا شکار ہو جاتا ہے۔۔ مثال کے طور پر اس دائرے میں گردش کرتا ہے اسکو کوئی جان سکتا ہے اور نہ شائد دنیا میں رہ کر اس سے نکل سکتا ہے، نہ اس کے آغاز کا کسی کو علم ہوتا ہے نہ ہی اسکے انجام کا کیوں کہ دائرے کا کوئی اختتام نہیں ہوتا۔ ناول کا آغاز ان الفاظ میں ہوتا ہے:

"دائرے کا کوئی آغاز، کوئی اختتام نہیں ہوتا۔ یہ لامختتم ہے اور اس لیے دنیا کا سب سے بڑا بھید۔"۲

ناول "دائرہ" فکری اعتبار سے دل چسپ ناول ہے۔ ناول "دائرہ" میں مصنف کے فکر کے منفرد اور انوکھے مظاہرے دیکھے جاسکتے ہیں۔ دور جدید میں شناخت کے جس بحران سے دوچار ہے اُس کا عملی اظہار اس ناول میں نظر آتا ہے۔ شناخت کا مسئلہ فرد کی ذات سے شروع ہوتا ہے۔ شناخت کا مسئلہ فرد کی ذات سے شروع ہوتا ہے۔ خارج اور داخل کی تکرار میں گھیرا ہوا شخص غم و غصہ، ڈپریشن اور فرسٹریشن عدم توجہی اور بے توقیری جیسے عوامل اسکی پہچان چھین لیتے ہیں۔ محمد عاصم بٹ کے ناول "دائرہ" کے کردار راشد کا بھی یہ ہی مسئلہ ہے وہ اپنی شناخت اور پہچان چاہتا ہے اور اپنے آپ کو تلاش کرتا کرنے کی جستجو میں ہے اور پوری کہانی "دائرہ" اسی کے گرد گھومتی ہے۔ انسان پر خارجی جبریت کے داخلی اثرات بہت زیادہ ہوتے ہیں فرد کو اپنی آزادی کے لئے اگر خارجی جبریت سے آزاد ہونا پڑے تو بھی اس سے آزاد ہوتا ہے کیونکہ داخلیت کی لہروں پر خارجیت کے اثرات بہت نمایاں ہوتے ہیں۔ اس ناول کا مرکزی کردار راشد جو خود کو راشد ماننے کو تیار ہی نہیں خود کو آصف سمجھتا ہے اور دوسروں کو بھی اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ وہ آصف ہے یہاں تک کہ وہ اپنی بیوی کو بھی بیوی ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ راشد اصل کردار ہے جب کہ آصف فلمی کردار ہے لیکن ذہنی طور پر راشد جو کردار کرتا ہے وہ اپنے ذہن پر سوار کر لیتا ہے۔ راشد کی بیوی نورین اس کو بتاتی ہے کہ وہ آصف نہیں راشد ہے مگر وہ اس بات کو ماننے کو تیار ہی نہیں اور وہ اپنی بات پر قائم رہتا ہے۔ اس طرح جیسے جیسے ناول کی کہانی آگے بڑھتی ہے۔ قاری اس شخص کے المیے کو محسوس کرتا ہے۔ راشد آصف مراد کا کردار ادا کرتا ہے۔ لیکن اس کے باطن میں صرف آصف مراد ہے راشد کہیں نظر نہیں آتا۔ اس طرح یہاں ناول میں شناخت کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کی اصل شناخت کیا ہے۔ یہ ہی وہ نکتہ ہے جو مصنف مختلف انداز میں بیان کرتا ہے۔ یہاں پر مختلف پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں جن کو مصنف بہت اچھے طریقے سے حل کرتا ہے۔ یہاں پر مصنف خود کو بھی اپنے وجود کا احساس دلاتا ہے۔ نورینا س کی بیوی بار بار اسکو احساس دلاتی ہے کہ جب فلم کا آخری شوٹ چل رہا تھا اس کے بعد تم نے راشد کو قبول نہیں کیا اور خود کو آصف بنا لیا۔ یہ پہلی بار نہیں بلکہ ہر دفعہ ہی آخری شاٹ کے بعد وہ اپنی پہچان بھول جاتا ہے۔ خود کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے آصف بہت دور نکل گیا تھا مگر اس سارے سفر میں نورین نے اس کو اکیلا نہیں چھوڑا۔ آصف کو نورین کا ساتھ بھی عذاب لگتا ہے وہ نورین کو چھوڑ کر بھاگ جانا چاہتا ہے اتنا خیال اور احساس آصف کے اندر داخلی تنہائی کو جنم دیتا ہے۔ وہ اپنی ذات کے اندر خود کلامی کی کیفیت سے دوچار نظر آتا ہے اور خود سے ہم کلام ہونے لگتا ہے۔ آخر تک راشد ایسی پریشانی میں مبتلا رہتا ہے۔ یہ آخری الفاظ اس ناول کے تھیم کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں "میرے ساتھ دھوکا ہوا" زندگی نے بھی تو بہت دھوکے دیئے آصف / راشد کو کیا یہ انہیں دکھوں کا شکوہ کر رہا ہے وہ اس آزادی کا خواہاں ہے جس کا ہر حساس انسان طلب گار ہوتا ہے۔ لیکن اسے یہ آزادی نہیں مل رہی۔ جس کی وجہ سے وہ شخصی آزادی کا آرزو مند ہو جاتا ہے۔ وہ ان دائروں سے نکلنا چاہتا ہے جو اس کے ارد گرد پھیل گئے ہیں۔

میرے کردار مجھ سے چمٹے رہتے ہیں کسی اور سے نہ ملو۔　　کسی اور کی نہ سنو۔ میں کیسے ان کی مانوں۔۔۔ وہ خود ہی اپنے کرداروں کو تخلیق کرتا پھر خود کو ان میں ڈھالتا اور جب ایسا کر لیتا تو اس کے بعد پھر کسی کھرنڈ کی طرح

ریشہ ریشہ انہیں اپنے آپ سے کھرچتا۔ اور یہ بہت تکلیف دہ عمل تھا۔"۳

"دائرہ" کا بنیادی موضوع زندگی کی ڈائروی حرکت ہے۔ انسانی زندگی الجھاو کا شکار ہے اور اس دور میں زندگی اس قدر الجھ گئی ہے کہ انسان اپنی پہچان بھول کر اس مصنوعی دنیا میں کھو جاتا ہے۔

"ناول دائرہ کے کردار راشد کا یہ ہی مسئلہ ہے کہ وہ اپنی پہچان چاہتا ہے۔ وہ اپنے اندر خود کو تلاش

کرتا ہوا نظر آتا ہے اس طرح پوری کہانی دائرے میں حرکت کرتی نظر آتی ہے۔"۴

"دائرہ" میں زیر بحث لائی گئی زندگی کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ انسان کی بے چینی کا المیہ عالمگیر نوعیت کا ہے۔ شناخت کا مسئلہ، شخصیت کا دوہرے پن، اضطراب، تنہائی، سماجی استحصال اور زندگی کی بے ثباتی جیسے مسائل ہر عہد کے انسان کا بنیادی مسئلہ رہے ہیں۔ "دائرہ" میں محمد عاصم بٹ کے ہاں مختلف اسلوب لئے ہوئے ہیں جس کی نمایاں خوبی یہ ہے کہ انہوں نے کہانی کہنے اور دیکھانے کے عمل سے پوری طرح کام لیا ہے۔ مصنف نے پوشیدہ حقیقتوں کو بیان کرنے کے لیے کئی طرح کی تکنیک استعمال کی ہے۔ مثال کے طور پر بات ادھوری ہونے کے باوجود قاری اس بات کو فوراً سمجھ لیتا ہے۔ "دائرہ" میں چینی ڈبوں کی تکنیک استعمال ہوئی ہے جس میں مصنف اصل کہانی کے علاوہ مختلف دوسری کہانیاں بھی پیش کرتا ہے۔ یہ تکنیک کلاسیکی ادب میں بہت ملتی ہے محمد عاصم بٹ نے بھی دائرہ میں یہ تکنیک استعمال کی ہے "دائرہ" کا مطالعہ کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اس کے بیانیے میں بیک وقت دو کہانیاں چلتی ہیں۔ وہ جو اصل ہے یعنی راشد اور نورین کی دوسری آصف مراد اور زرینہ کی جو فلم کی کہانی ہے اس کے لئے اس میں ایک تیسری کہانی آتی ہے جو فلم گناہ گار کی ہے جس میں امین گل ہے اور کہانی امین گل کے گرد گھومتی ہے۔ دائرہ کا اسلوب سادہ رواں ہے۔ ناول میں پنجابی الفاظ کا خوبصورتی سے استعمال کیا گیا ہے۔ عاصم بٹ کے ہاں ماحول کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ عاصم بٹ کے ناول میں اندرون شہر لاہور کا منظر نامہ اور کلچر اپنے اصل رنگ کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اس ناول کو ایک اسلوبیاتی سطح پر استعارہ سازی، تجریدیت، تمثال کاری اور پیکر تراشی کے ذریعے نہیں ابھارا بلکہ یہ عمل ناول کی اندرونی تہہ کے طور پر نمایاں ہے زبان و اسلوب کی سطح پر انہوں نے کہیں کہیں الفاظ کو توڑ مروڑ کر بیان نہیں کیا گیا، دائرہ کے اسلوب میں تفصیل پسندی بھی ایک اہم بات ہے۔ بات کو ایک ایک کر کے خوبصورتی سے سمیٹا ہے۔ المختصر، یہ ناول اپنی تکنیک اور ہئیت کے لحاظ سے اپنے اندر جدت لیے ہوئے ہے۔ اس لیے یہ ناول فکشن میں ایک نیا تجربہ ہے۔

محمد عاصم بٹ کا دوسرا ناول "ناتمام" ۲۰۱۴ء میں شائع ہوا۔ اس ناول میں انہوں نے معاشرتی مسائل کو موضوع بنایا ہے جو معاشرے سے ناختم ہونے والے مسائل ہیں۔ دراصل اس ناول میں اس تمنا کا اظہار کیا ہے کہ معاشرے سے برائیوں کا یہ سلسلہ تمام ہو جائے۔

بقول عاصم بٹ:

> "سورج ڈوب جاتا ہے تو روشنی اندھیرے کے پیٹ میں نطفہ بن کر بیٹھ جاتی ہے۔ ایک نئے سورج کو جنم دینے کے لیے ایک نئے کل کی اُمید بن کر۔ جو کہانی میں ہم آئندہ صفحوں میں پڑھنے جا رہے ہیں۔ اُس کی بنیاد میں شائد اُمید کا دخل نہ ہو، لیکن اسے یہاں پیش کرنے کی وجوہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یوں سنانے سے شائد کہانی کہیں ختم ہو سکے۔"۵

انسان امید کے سہارے ساری زندگی گزار دیتا ہے۔ اور یہ ہی اُمید اس کے جینے کا سہارا ہوتی ہے۔ جب یہ ختم ہوتی ہے تو انسان موت کی آغوش میں سر چھپانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس ناول "ناتمام" کا موضوع ایک ایسے معاشرے میں جہاں مردوں کو غیر معمولی اور بے جا بالادستی حاصل ہے۔ "ناتمام" دراصل ہمارے ہی معاشرے کی کہانی ہے۔ مصنف نے اس کہانی کے ذریعے حقیقت کی عکاسی کی ہے۔ "ناتمام" ناول مسلسل استحصال کا قصہ ہے جس میں کرب، دہشت، مایوسی، خوف، افسردگی، بے چینی جیسے وجودی عناصر جا بجا ملتے ہیں۔

قدیم معاشرے کا جائزہ لیا جائے یا جدید معاشرے کا ہر زمانے میں عورت کا استحصال ہوا ہے۔ زمانے جہالت سے لے کر اب تک عورت کا استحصال ہوا ہے عاصم بٹ کے اس ناول "ناتمام" میں بھی تین کہانیاں ساتھ ساتھ چلتی ہیں جن میں انہوں نے عورت کے استحصال کو موضوع بنایا ہے وہ چاہے صائمہ ہو، یشودھرا یا سیتا۔ تینوں کو اپنے اپنے معاشرے میں اپنے اپنے وقت میں مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ صائمہ جدید زمانے کی عورت ہے جس کو پہلے وسیم کی وجہ سے گھر پورے محلے میں بدنام ہونا پڑا اور نوبت گھر چھوڑنے تک آ گئی۔ مگر ایسی بے بس عورت کو زمانے نے بھی قبول نہ کیا اور وہ خودکشی پر مجبور ہو گئی۔ دوسری کہانی یشودھرا کی ہے جو تیرہ سال کے بعد ماں بنتی ہے۔ اس کا خاوند اس کو چھوڑ کر جنگلوں میں نروان کرنے چلا جاتا ہے اور جب واپس آتا ہے تو اس عورت کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ آٹھ برس بعد سدھارتھ کے واپس لوٹنے پر اُس ٹھکرائی ہوئی عورت کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ ایسی ہی ایک کہانی رامائن میں بیان کردہ سیتا اور رام کی ہے۔ سیتا کے کردار پر بھی تہمت لگی۔ ایودھیا کے عوام کی خواہش پر اسے محل سے نکال دیا

گیا۔ بارہ برس کے بعد جب رام سمیت کسی نے بھی اسے معاف نہیں کیا اور سیتا زندہ دھرتی میں سما گئی۔ صائمہ ہو سیتا یا یشودھرا تینوں عورتیں اپنے اپنے دور کی عکاس ہیں تینوں کو انہی مسائل کا سامنا کرنا پڑا جو کہ عورت کو درپیش ہوتے ہیں۔

بقول محمد عاصم بٹ:

"یہ لیلا ہر یُگ میں کھیلی جاتی ہے، بس چہرے اور نام بدلتے ہیں اور انتظار رہتا ہے بالمیکی کا جو ہر یُگ میں سیتا کی کتھا سنے اور اسے دوسروں کو سنائے۔"۶

سب سے پہلے صائمہ جو اس ناول کا مرکزی کردار ہے اس کی ماں اپنی بڑی بیٹی رضیہ کے گھریلو مسائل سے تنگ ہے جب بیٹی سسرال سے جل کر گھر آتی ہے تو ماں جو پہلے ہی بیماریوں کا شکار ہے، اس کے گھر آنے سے ماں نفسیاتی مریضہ بن جاتی ہے۔ جو بیٹیوں کو بوجھ سمجھنے لگتی ہے اور بات بات پر انہیں مارنے کو دوڑتی ہے۔ ماں صدمے سے بیمار ہو گئی اور باجی نے نوکری شروع کر دی لیکن ماں کی بیماری کم نہیں ہوئی اور آخر کار جنونی ہو کر ان کا انتقال ہو جاتا ہے۔ ماں کے مرنے کے بعد باجی اپنی دنیا میں مگن ہو جاتی ہے اور صائمہ کا کوئی دکھ درد کا ساتھی نہیں ہوتا۔ محلے کے ایک آوارہ لڑکے وسیم کو اپنا ہمدرد سمجھ کر اس سے محبت کرنے لگتی ہے لیکن وسیم اپنا مطلب پورا کرنے کے بعد اسے تنہا چھوڑ کر بیرون ملک چلا جاتا ہے۔ صائمہ گھر کے گھٹن زدہ ماحول سے نکلنا چاہتی ہے اور اپنی زندگی آپ گزارنے کی کوشش میں نرسنگ کا کورس کر کے نوکری شروع کر دیتی ہے۔ وہاں اسے وقاص ملتا ہے لیکن آخر میں وہ بھی اسے تنہا چھوڑ دیتا ہے۔ صائمہ کو ماں کی بیماری، باجی کی طلاق کے بعد گھر واپسی، محلے اور خاندان والوں کے طعنے، گھر کی گھٹن زدہ زندگی، ماں کے مرنے کے بعد باجی کی طرف سے طرح طرح کی پابندیوں نے اکتاہٹ، گھن، کراہٹ اور خلفشار سے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا اور یوں اس نے ان تمام حصاروں کے خلاف بغاوت کی اور گھر سے باہر نکل کر مرضی کی زندگی گزارنے لگی۔ لیکن مردانہ غلبے کے معاشرے میں اپنی مرضی کی زندگی جینے کی اسے یہ سزا ملی کہ وہ ذہنی مریض بن جاتی ہے اور بعد ازاں خودکشی کر لیتی ہے۔ "ناتمام" کے مطالعے کے دوران یہ المیہ بھی سامنے آتا ہے کہ مردانہ سماج میں عورت کو اپنی پاکیزگی ثابت کرنے کے لیے ہر عہد میں آگ پر چلنا پڑتا ہے۔ یکسانیت، بوریت، اکتاہٹ اور خلفشار جیسے وجودی مسائل نے ایک طرف عورت کے انتقامی جذبے کو ابھارا تو دوسری طرف سماج کے خوف نے کرداروں کو دبوچے رکھا ہے۔ ناول کا اختتام بہت ہنر مندی سے کیا گیا ہے۔ مرد زدہ معاشرے میں عورتوں کی جو تذلیل کی جاتی ہے اسے مہاتما بدھ کی بیوی کی بیچارگی اور رام چندر کے ہاتھوں سیتا کی درگت کے ذریعے سہارا دیا گیا ہے۔

"ناول میں خوشی کے لمحات اگر ہیں تو بہت تھوڑے اور روٹھے روٹھے سے جیسے خوشی کی رمق بھی گوارا نہ ہو۔"۶

"ناتمام" کا منظر نامہ چونکہ اندرون لاہور سے متعلق ہے اس لیے اس میں ایسے لوگوں اور کرداروں کی جھلک نظر آتی ہے جو زندگی کے جبر کو پورے طور سہتے اور محسوس کرتے ہیں۔ مصنف نے ناول کے اسلوب میں سادہ بیانی اور روانی جیسی خصوصیات پیدا کی ہیں۔ ناول کی زبان صاف اور شستہ ہے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی ابہام یا پیچیدگی نہیں ہے۔ ناول نگار نے معاشرے کے تمام عناصر کو بڑی گہرائی اور گیرائی سے پیش کیا ہے۔ عاصم بٹ کے اسلوب کی نمایاں خوبی جو سامنے آتی ہے وہ ان کے کردار ہیں جو زندگی کے دکھ سکھ سہتے ہیں۔ عاصم بٹ نے ان کی عام زندگی کی تصویر کشی بڑی خوب صورتی سے کی ہے۔ عاصم بٹ کے ناول میں مناظر، تجربات، کردار اور واقعات ایسے ہیں جو انکے ذہن پر جم چکے ہیں انہوں نے وہی زبان استعمال کی جو اندرونِ لاہور کی زبان تھی اور وہی مناظر بیان کئے ہیں جو اندرونِ لاہور کے تھے اسی طبقے کے لوگوں سے وہی مکالمے ادا کروائے جو اس عمر کے لوگوں سے متعلق تھے۔ الغرض انہوں نے ہر چیز کا خیال رکھا اور ویسے ہی اس کو ادا کیا جیسا پلاٹ کا تقاضا تھا۔

"ان کے بغیر اس گھر میں کیا، محلے بھر میں کوئی تقریب نہیں ہوتی تھی وہ جگت خالہ تھیں۔ عیدوں اور شبراتوں پر صائمہ کے ابو اس کے لئے خاص طور پر جوڑا سلواتے۔"۷

گویا کہا جاسکتا ہے کہ عاصم بٹ کے ناولوں میں موجود تجربات، مناظر، واقعات اور کردار ایسے ہیں جو ان کے ذہن پر نقش تھے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ وہ اپنے ماحول سے چنے ہوئے الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ اس ناول میں بھی انہوں نے اندرون شہر لاہور کے عام سماج سے متعلق زبان استعمال کی ہے۔ غیر ضروری جملوں کے استعمال سے اجتناب کرتے ہوئے جامعیت کا خیال رکھا ہے۔ ناول کا ہر جملہ موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔ غیر ضروری طوالت سے بچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مختصر جملوں کے استعمال نے ناول کی زبان کو قدرے خوب صورت بنا دیا ہے۔

"بھید" ناول ۲۰۱۹ء میں شائع ہوا۔ یہ ایک منفرد ناول ہے جو روایت سے ہٹ کر ہے۔ اس میں سات ابواب اور ۲۴ کردار شامل ہیں۔ ہر کردار کی الگ کہانی ہے جسے ناول نگار نے یکجا کر کے ناول تشکیل دے دیا ہے۔ ہر کردار اپنے اندر بھید رکھتا ہے۔ ہر انسان اپنے ساتھ کوئی نہ کوئی بھید رکھتا ہے۔ جس کو وہ کسی پر آشنا نہیں ہونے دیتا۔ بالکل ناول نگار نے بھی ناول میں جو کرداروں کا تذکرہ کیا ہے۔ ہر کردار اپنے اندر کسی نہ کسی طرح کا بھید چھپانے ہوئے ہے۔ عاصم بٹ کے خیالات کا بے ہنگم ریلا بھی اپنی محدودیت کے باوجود لامتناہیت کا حامل ہے ان کی گفتگو کی کترنیں بھی سر تا پا اوڑھنی میں بدل جاتی ہیں مگر یہ قاری پر منحصر ہے کہ وہ کس قدر عمیق سوچ رکھتا ہے اور اس کی وسعت و بصارت کی گہرائی کہاں تک ہے۔ محمد عاصم بٹ کا بھید بھی انہیں عبارت میں سے ایک ہے جس کی سمجھ تبھی آسکتی ہے جب آپ اس تہہ تک پہنچ جائیں اور تہہ تک پہنچنے کے لئے آپ کو عاصم بٹ کے تحریری مزاج، خیال کی سمت اور اس بھید کے دوران نہاں مفہوم تک رسائی حاصل کرنا ہوگی۔ جس کے لئے بھید کے پیش لفظ میں مستنصر حسین تارڑ نے کچھ یوں لکھا ہے:

> "عاصم بٹ کے ناول میں داخل ہونے میں بہت سے　　خدشات مضمر ہیں کہ شاید آپ اس سے باہر نہ آسکیں
>
> آپ کو بہر طور اپنی جان داؤ پر لگانی ہوگی اگر آپ اس کائنات میں مخفی کسی بھید تک پہنچنا چاہتے ہیں۔"۸

اسی پیش لفظ میں تارڑ صاحب لکھتے ہیں:

> "محمد عاصم بٹ کا یہ ناول اردو ادب میں شاید بھول بھلیوں کی واحد مثال میں داخل ہو جاتے ہیں۔ تو پھر Labyrinth ہے آپ ان کی تحریر کی آپ کو وہاں سے باہر آنے کا راستہ نہیں ملتا۔ آپ کے علاوہ اس کے درجنوں محیر العقول　　اگرچہ عام زندگی میں چلتے پھرتے کردار، نمیرا، ماسٹر ولایت، احمد، نوید، مشتاق چھرا، مٹھو ایلین، اقبال مواد، رافیہ، رانا جمیل کسی نہ کسی موڑ پر آپ کے سامنے آجاتے ہیں۔ اپنے حصے کی زندگی بسر کرتے ہیں اور گم ہو جاتے ہیں۔ وہ سب بھٹکے ہوئے ہیں۔ اس معاشرے کے ذلتوں کے مارے لوگ جو رزق روزگار کی بھول بھلیوں میں گم ہو چکے ہیں۔"۹

پیش لفظ سے اتنی بات تو سمجھ آتی ہے کہ یہ بھید اپنی حقیقت میں معاشرے کے ان لوگوں پر اپنی خیال کی کاوش ہے۔ جو حیات کی راہوں میں بھٹکتے، ذلت و رسوائی کو ماتھے پر سجائے ندامت کے بوجھ سے سروں کو خم کئے اپنی زندگی گھسیٹتے ہیں۔ ناول کی کہانی کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو مصنف نے ابتداء میں ہی یہ بتا دیا ہے کہ یہ ناول کسی گمشدہ مسودہ سے لیا گیا ہے۔ "بھید" ناول میں فکشن کے چاروں بنیادی عناصر موجود ہیں۔ داستان کی طرح اس کا انداز و بیان ہے۔ اس کے علاوہ مابعد الطبیعات عناصر کی موجودگی داستانوی انداز تحریر کو مزید جلا بخشتا ہے۔ ناول میں ہر کہانی کو ایک موضوع دے کر بیان کیا گیا ہے۔ اس ناول میں لاہور شہر کو ایک موضوع کی حیثیت حاصل ہے۔ تارڑ صاحب نے آغاز میں ہی لکھا ہے کہ ناول میں ایک بھید لاہور شہر کا بھی ہے کردار لاہور شہر کے اندر ہی آتے ہیں اپنے دکھ و درد بیان کرتے ہیں اور اچانک غائب ہو جاتے ہیں۔ عاصم بٹ نے لاہور سے وفا کی ہے اور اس کو اپنے ناول میں ایک الگ موضوع بنایا ہے۔ لاہور سے وفا کر کے عاصم بٹ نے اسے زندہ کر دیا ہے۔ عاصم بٹ لاہور کو جانتے ہیں اور وہ انہیں جانتے ہیں۔ انہوں نے لاہور شہر کی عمارات، باغات، گلی کوچوں کو اپنے ناول میں قاری کو متعارف کروائے ہیں۔ ان کے تمام کردار لاہور کے گلی کوچوں سے لے کر اس کے

قریبی علاقوں تک موجود ہیں۔ تمام کردار ہی لاہور سے واقف ہیں۔ عاصم بٹ نے بھی لاہور کے گلی کوچوں کو اتنی ترتیب سے پرویا ہے کہ ہر کوئی اس سے واقف ہو گیا ہے۔

عاصم بٹ چونکہ خود لاہور سے اچھی طرح واقف ہیں لہذا ان کے ناول "بھید" کا موضوع بھی لاہور شہر ہے۔ "بھید" ناول اردو ادب میں بھول بھلیوں کی واحد مثال ہے۔ ناول "بھید" میں کہانی کو کچھ اس انداز میں بیان کیا گیا ہے جس میں بہت سے اہم کردار اور واقعات یوں گزر جائیں کہ وقت گزرنے کے بعد ان کا کوئی سراغ ہی نہ ملے۔ بہت سی کہانیاں تخلیق ہو کر بنا کسی کو سنائے معدوم ہو جاتی ہیں اور بیشتر کردار اس میں ظاہر ہو کر کسی روایتی انجام تک پہنچے بغیر غائب ہو جاتے ہیں۔ مختلف کرداروں کی کہانیاں ہیں، جو شہر لاہور کی گلیوں میں اپنے اپنے ماضی، اپنی اپنی خواہشات یا محرومیوں کے ساتھ دھیمے انداز کے ساتھ اپنی اپنی کہانیاں سناتے ہیں۔ اس ناول میں سارا بھید لاہور کا اور اس میں موجود کرداروں کا ہے۔ "بھید" میں ایک کردار کی کہانی جیسے پیر سید غائب شاہ اور اسطرح کی کئی داستانیں سینہ بہ سینہ ہمارے معاشرے میں گردش کر رہی ہیں۔ جن کا حقیقت سے تعلق تھا یا نہیں ایسی کوئی سند نہیں ملتی۔ مگر معتقدین کے پاس ایک ذخیرہ ہوتا ہے بیان اور شواہد کا جو لسانی مہارتوں سے ہی ثبوت کی منزلیں طے کرواتے چلے جاتے ہیں۔ عموماً الیاس مندریاں جیسے کردار جو اپنی عام زندگی میں ناکام ہوتے ہیں ایسی درگاہوں پر خوب کامیاب ہوتے ہیں۔ حقیقت سے انکار نہیں، حقیقت اپنے پیچھے کچھ ٹھوس شواہد بھی چھوڑتی ہے چاہے وہ سینہ بہ سینہ ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ معاشرتی استحصال اور توہمات کی ایک قسم ہے کہ تارک صوم و صلوۃ ولی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور بے علم لوگ ان۔ دعووں پر سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ پیر سید غائب شاہ سے زیادہ الیاس مندریاں والا اس موضوع میں مرکزی کردار کا حامل ہے اور ایسے کئی نام اور کئی مجاور سینہ بہ سینہ چلتی کہانیوں کی زینت بنتے ہیں حقیقت میں تو لاجواب ہیں اور اس دور جدید میں ایسے ولی کاملین کی اشد ضرورت ہے جو اس بے راہ قوم کو کسی ایک ڈگر پر ڈال سکیں۔ یہاں عاصم بٹ نے تاریخ کو ایک خیال کی جدت بھرے مقام پر ایک مجاور کی علمی و تاریخی سوچ کو ایک بے سند گفتگو سے ملا کر سچ اور جھوٹ میں فرق کی گنجائش کو مقید کیا ہے۔

> "میں تو کہتا ہوں کہ الیاس مندری والا پکا پیڈا سائیں ہے وہ کوئی رمز پا گیا ہے جو عام انسانوں کی پہنچ سے باہر ہے۔ جس نے اس کی کایا کلپ کر کے رکھ دی ہے کوئی رمز جو کسی بھی دھات کو سونا بنانے کا جوہر رکھتی ہو۔"۱۰

جہاں معاشرتی تضاد ہو اور جاگیر دار نہ نظام ہو اور سیاسی باوے بھی جاگیر دار ہوں وہاں نچلے طبقے کے لوگوں کا استحصال ہونا ایک یقینی امر ہے۔ اسی موضوع کو مصنف نے اپنے اس ناول "بھید" میں عمدہ انداز میں بیان کیا ہے کہ کس طرح سیاسی اور جاگیر دار لوگ غریبوں کا استحصال کرتے ہیں۔ ریاض راجی جیسا کردار کس طرح سیاست میں آ کر غریبوں کا استحصال شروع کر دیا۔ حمید جو صحافی تھا اور غریب تھا اس کا منہ بند رکھنے کے اس کو پیسوں کے بل خرید لیا۔ جب اس نے اپنے بھائی کو میٹرک کے امتحان میں نقل کروائی اور خبر حمید تک پہنچی۔ ریاض نے اس کو اپنا خصوصی نمائندہ بنایا۔ بات غریبوں کے استحصال کی ہے لہذا بات کا رخ اسی طرف موڑتے ہیں۔ پھلروان ایک غریب کسان فضل دین جس کی دو ایکڑ زمین تھی، جو غریب بھی تھا اور بوڑھا بھی۔ اس کی ایک بیٹی تھی مگر بد قسمتی سے سیاسی لوگوں کے ہاتھوں اغواء ہو جاتی ہے۔ جب باپ پولیس کے پاس پرچہ درج کروانے گیا تو پولیس نے پرچہ درج کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ جن لوگوں نے اغواء کیا تھا وہ با اثر لوگ تھے اور پولیس والے ان کا کھاتے تھے لہذا انہوں نے یہ کام کرنے سے انکار کر دیا۔

> "باپ دہائی دیتا ہوا تھانے گیا، لیکن وڈائچوں کے بچوں کے خلاف جو علاقے کی بارسوخ برادری تھی، ایف آئی آر کاٹ کر پولیس والوں نے اپنی وردی اتروانی تھی کیا وہ ٹرخاتے رہے۔ اس نے مایوس ہو کر گھر بھار اور کام کاج کو تو پرے کیا، ایک چارپائی اٹھالایا اور تھانے کے آگے بچھالی اور بھوک ہڑتال کر دی۔"۱۱

محمد عاصم بٹ یہ بھی جانتا ہے کہ جدید دور کی زندگیاں پر اسرار طلسم، بے چینی اور وجودیت کے بوجھل سے کم نہیں۔ عاصم بٹ واقف ہے کہ یہ سماج جن افراد سے مل کر بنا ہے وہ بہت خام، تشنگی اور وہمی ہے اور ایسا سماج لایعنیت کے دائرے سے نکل نہیں سکتا۔ ناول نگار جانتا ہے لیکن اس کا اعلان نہیں کرتا

بلکہ قاری کو بھی بھول بھلیوں میں ڈالے رکھتا ہے۔ یہ ناول اس لیے بھی کام یاب ہے کہ اس میں زندگی کا عرفان اور ندرت ہے۔ اور زندگی کی چھوٹی چھوٹی کہانیوں کو ملا کر ناول میں بدل دیا ہے۔

ناول پلاٹ کی بندش سے آزاد ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ قاری کو یہ پلاٹ خود ڈھونڈنا ہے کوئی یک رخی کہانی اس میں نہیں بلکہ مختلف کرداروں کی بکھری ہوئی کہانیاں موجود ہیں۔ شاعری اردو ناول کا حصہ نہیں ناول بیانیہ انداز میں ہی لکھا جاتا ہے یا مکالمہ کی صورت میں اس میں غنائیت نہیں ہوتی۔ مگر عاصم بٹ کے اس ناول میں شاعری بھی موجود ہے نمیر اشاعرہ ہے وہ اپنی ڈائری میں نظمیں لکھتی ہے اور مصنف نے ان کو ناول کا حصہ بھی بنایا ہے۔

"محبت بڑی عمر کے بچے بھی جس سے کھیل سکتے ہیں　اس کے اندر گھنگرو جیسی چند گیٹیاں ہیں

جو ہلکا سا ہلاؤ تو بجتی ہیں　چھن، چھن، چھن، چھن، چھوں"۱۲

اس کے علاوہ بھی بہت سی نظمیں شامل ہیں جیسے دعائیں، دلاسہ، ایکسپائری وغیرہ۔ عاصم بٹ کا اسلوب ان کے ناول "دائرہ" میں سامنے آچکا ہے مگر "بھید" میں مزید نکھر کر سامنے آیا ہے۔ اگر کردار نگاری کی بات کی جائے تو عاصم بٹ کے کردار "بھید" میں پر اسرار ہیں اور دوسرے ناولوں کی طرح یہ بھی لاہور کے ہی باسی ہیں، ہر کردار کچھ دیر کے لئے آتا ہے اور اچانک غائب ہو جاتا ہے۔ ان کے کردار اپنی اپنی محرومیوں، خواہشات اور اپنے اپنے ماضی کے ساتھ اپنی کہانی مختصر سناتے ہیں اور کسی روایتی انجام تک پہنچے بنا غائب ہو جاتے ہیں۔ مصنف نے محاورات اور روزمرہ الفاظ کا بھی استعمال موقع محل کی مناسبت سے کیا ہے جس سے لگتا ہے کہ نثر مزید جاندار ہو گئی ہے۔ عاصم بٹ نے اپنے تجربات کو جزئیات سمیت بیان کیا ہے۔ انہوں نے منظر کشی اور جزئیات نگاری میں حقیقت اور تخیل دونوں سے کام لیا ہے اور پوری وضاحت کے ساتھ بات بیان کر کے قاری تک پہنچائی ہے۔ منظر نگاری کی وسعت سے طبقوں، علاقوں اور لوگوں کی طرز حیات اور فرق کا بھی خاص خیال رکھا ہے۔ "بھید" میں عاصم بٹ کا انداز بیان نیا اور کہانی کا تنوع خوشگوار حیرت سموئے ہوئے ہے۔ یہ ناول اردو ناول نگاری میں ایک نیا تجربہ ہے۔

عاصم بٹ کے ناولوں میں زندگی کا فن کا شعوری امتزاج نظر آتا ہے۔ انہوں نے ارد گرد کی زندگی کو بڑی گہری نظر سے دیکھا ہے اور تخیل کے آئینے سے گزار کر اسے ناول کے صفحات پر پیش کیا ہے۔ عاصم بٹ کے گہرے مشاہدے، واقعیتنگاری، سادی بیانی ایسی خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے انہوں نے ناول نگاری میں اپنی انفرادیت پیدا کی ہے جس کی وجہ سے جدید ناول نگاری میں ان کی اہمیت مسلّم رہے گی۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ انٹرویو، محمد عاصم بٹ، بمقام اکادمی ادبیات، لاہور، ۱۲ اپریل ۲۰۱۹ء

۲۔ حمد عاصم بٹ، "دائرہ"، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص ۳

۳۔ ایضاً، ص ۶۵

۴۔ روبینہ سلطان، "تین نئے ناول نگار"، (لاہور: دستاویز، ۲۰۱۲ء)، ص، ۲۱۳

۵۔ محمد عاصم بٹ، "ناتمام"، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص ۷

۶۔ ایضاً، ص ۴۷

۷۔ جمیل احمد عدیل، "تنقید سے فرصت نہیں"، (روالپنڈی: الفتح پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص ۴۷

۸۔ محمد عاصم بٹ، "ناتمام"، ص ۲۰

۹۔ حمد عاصم بٹ، "بھید"، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء)، ص، ۹

۱۰۔ ایضاً، ص ۷/۸

۱۱۔ ایضاً، ص، ۲۵

۱۲۔ ۱ایضاً، ص، ۱۵۲

۱۳ ایضاً، ص، ۱۷۴